حیاتِ انسانی کا مقام

رُوح اور نیچر کے تسلسل میں

از

ڈبلیو۔ ہیٹلر (W. HEITLER) پروفیسر ایمریطس طبیعیاتِ نظری

(THEOKETICAL PHYSICS) یونیورسٹی آف زیورک (ZURICH) سوئٹزرلینڈ

مترجم: خورشید رضوی

مسٹر ڈبلیو ہیٹلر (W. HEITLER) کے ایک بیش قیمت مضمون کا اُردو ترجمہ ہم ان صفحات میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس مضمون میں کائنات اور حیات اور انسان کے متعلق جو فلسفیانہ سائنسی بحث چھیڑی گئی ہے وہ مادّی تصورِ کونیات کی بنیادیں ہلا دینے والی ہے۔ نتیجۃً نظریۂ ارتقاء بھی اس کی زد سے نہیں بچتا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ سائنس کی وادیوں کو طے کرتی ہوئی انسانی فکر آخرکار میٹریلزم کی ان رکاوٹوں کو توڑ رہی ہے جو انسان اور خدا کے درمیان حائل کر دی گئی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض قارئین کو فلسفیانہ مباحث کا ذوق نہ ہو، لیکن ایک بڑی تعداد اس مضمون کو پسند کرے گی اور اس کے زیرِ اثر سوچنے کی مزید راہیں کھلیں گی۔

ہم اپنے ہاں کے مادہ پرستوں اور لادینیت پسندوں کو بھی توجہ دلاتے ہیں کہ انکارِ خدا اور ترکِ مذہب و اخلاق کے جس فیشن کو انہوں نے اپنا رکھا ہے، اب وہ نہیں چل سکتا۔ اور ہم اپنے دانشوروں اور پروفیسروں سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس طرزِ فکر سے سوچیں اور ایسے مباحث سامنے لائیں۔ الحاد و مادیت، مغرب کے اُگلے ہوئے نوالے ہیں، اور ان کو نگلنے اور چبانے پہ فخر کرنے کا دَور ختم ہو چکا۔

(ن ص)

شاید کسی بھی دَور میں انسان اپنی فطرت کے بارے میں اتنا متردد نہ تھا جتنا آج ہے۔ سائنس کے مستند زعماء تو ہمیں یہ باور کرا چکے ہیں کہ ہم ایک "پیچیدہ طبیعاتی و کیمیاوی نظام" سے عبارت ہیں۔ نیز یہ کہ بنیادی طور پر ہم نکلیوٹائڈز (NUCLEOTIDES) کا ایک سلسلہ ہیں جس کا طول تقریباً دو میٹر ہے ——— (یہ ہمارے کروموسومز میں DNA MOLICULES کی کل لمبائی ہے) ——— یا یہ کہ ہمارا ظہور عملِ ارتقاء کے دوران محض ایک اتفاقی حادثہ تھا ------- یا ایسے ہی بعض اور رائج الوقت پوچ نظریات ------

میری نظر میں تو ہماری اس ابتری کا سبب حقیقت الوجود (ONTOLOGY) کے شعور کا قریب قریب کامل فقدان ہے۔ یعنی "کیف" اور "جوہر" کی سطح پر جو کچھ "ہے" اس کے "ہونے" کے ادراک کا فقدان - نیز اس ادراک کا فقدان کہ وجود کے مختلف طبقات ایک دوسرے سے کس انداز میں مختلف و متباین ہیں ——— یا یہ کہ ان امور کے ضمن میں ایک خاص انداز کی بصیرت کم از کم ارسطو کے زمانے سے چلی بھی آتی ہے۔ تاہم آج صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ از سرِ نو غور و تدبر کے بعد علمِ جدید کی روشنی میں اسے ایک یکسر مختلف ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے۔

انسان (بیک وقت) کئی عالموں کا مکین ہے۔ ایک طبیبِ جسمانی بھی اس وقت تک صحیح معنوں میں امداد پہنچانے سے قاصر ہوتا ہے جب تک کہ اسے انسان کی تمام تر "حدودِ وجود" کا شعور حاصل نہ ہو...... یہ ایک حقیقت ہے!...... حالانکہ طبی معالجے کو ——— (ہمارے علم کی انتہائی قلت کے باعث) ——— ان عالموں میں سے صرف ایک ہی عالم یعنی عالمِ مادی پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرنا ہوتی ہے۔

انسان ایک اعتبار سے نتیجۂ فطرت (A CREATURE OF NATURE) "بھی" ہے۔ لہٰذا انسان کو سمجھنے کے لیے اشیائے فطرت سے آغاز کرنا بھی ناگزیر ہے۔ بلکہ بنظرِ غائر دیکھیے تو ہمیں علمِ ریاضی سے آغاز کرنا ہوگا جو ——— (ہر چند کہ "اشیائے فطرت" میں شامل نہیں) ——— علمِ طبیعیات سے کچھ اس طرح لازم و ملزوم ہے کہ دونوں کا جائزہ ہمیں ایک ساتھ ہی لینا ہوگا۔

علمِ ریاضی کا وجود عالمِ روح میں ہوتا ہے۔ "نقطہ" ہو یا "دائرہ" یا "عددِ غیر ناطق" (IRRATIONAL NUMBER) ان میں سے کوئی بھی مادی طور پر موجود نہیں۔ سوال

یہ ہے کہ کیا ان کا وجود صرف " ہمارے " ذہن اور رُوح میں ہوتا ہے ! .... کیا اس بات کا امکان ہے کہ یہ انسانی اختراعات ہوں ؟ —— یا اُن کا کوئی خارجی و حقیقی وجود بھی ہے !— ایسا وجود جیسے کسی ماورائی عالم کا وجود کہا جاسکے ۔ یعنی ایک روحانی عالم جو بنیادی طور پہ انسان سے الگ اور آزاد ہے ؟ —— اس سوال نے صدیوں سے مسلسل علمائے ریاضی کو محوِ غور رکھا ہے ۔ چنانچہ افلاطون کا خیال تھا کہ ریاضیاتی تصورات دراصل " اعیان " یا " امثال " (IDEAS) ہیں ۔ یعنی مجرد بنیادی ہیولے (SPIRTUAL PROTOTYPES) جو ایک ماورائی دنیا سے وابستہ ہیں اور مادی صورت میں اپنا ایک نہایت ہی ناقص سا اظہار کر سکتے ہیں —— (مثلاً دائرے کی شکل تو محض پنسل کے سُرمے کے ذرات کا ایک سلسلہ ہے) —— ان خالص تجریدات (PURE ABSTRACTIONS) کا انسانی تصور ، بنیادی ہیولوں کے ادراک پہ ، یعنی ماورائی دُنیا کی ایک جھلک دیکھ لینے پہ منحصر ہے —— (جسے عرفِ عام میں " الہام " یا " وجدان " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) —— اکثر سربرآوردہ ریاضی دان اسی افلاطونی نظریے کے قائل تھے اور آج بھی ہیں ۔

دونوں نقطہ ہائے نظر کے مابین حتمی فیصلہ علم طبیعیات کے حوالے سے ممکن ہے ۔ طبیعیاتی اصول بے جان مادے کے طریقِ عمل (BEHAVIOUR) کی وضاحت کرتے ہیں ۔ یہ اصول بلا استثناء کُلّی ریاضیاتی اصطلاحات سے منضبط کیے جاتے ہیں ۔ مادہ اِن اصولوں کی متابعت کرتا ہے ۔ —— (لیکن متعدد رکاوٹوں کے باعث یہ متابعت ہمیشہ نامکمل انداز میں ہوتی ہے) —— صاف ظاہر ہے کہ علم ریاضی ، جس کا ظہور اِن اصولوں کی صورت میں ہوتا ہے ، بھی مادے پہ اثر انداز ہوتا ہے مگر طبیعیاتی اصول ہماری اختراع نہیں ہیں ۔ یہ " فطرت " کے قوانین ہیں ۔ بنا بریں ، علمِ ریاضی بھی انسانی اختراع نہیں ہے ۔ اس کا ایک حقیقی وجود ہے —— یعنی ایک ماورائی عالم میں وجود —— کیونکہ فی نفسہٖ یہ علم مادی نہیں ہے ۔

افلاطونی نظریے کے مطابق خود اصول طبیعیات بھی بنیادی ہیولے (PROTOTYPES) تصور کیے جائیں گے ۔ کیونکہ وہ خود بھی ایک " شئیِ مجرّد " ہیں ۔ لیکن یہاں افلاطونی نظریے سے ایک اُصولی بُعد پایا جاتا ہے ۔ یہ بنیادی ہیولے محض ایک " افلاطونی جنّتِ خیال " ہی میں وجود

نہیں رکھتے ۔ جنہیں خالص " امثال " یا " اعیان " کہا جاتے کہ جو " مادی آلودگی " سے یکسر مبرا ہوں۔ اس کے برعکس یہ اصول مادے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگرچہ مادہ ان کی متابعت میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔

اصول طبیعیات بے جان مادے کے طریقِ عمل کو سختی سے اپنا پابند رکھتے ہیں۔ وقت کے کسی بھی لمحۂ مخصوص میں، مخصوص حقائق نیز خارجی مؤثرات مل کر آنے والے احوال کا رُخ متعین کرتے ہیں

(۲)

اب ہم فطرت کے جاندار (ANIMATE) مظاہر کی طرف آتے ہیں۔ اور آغاز نباتی زندگی سے کرتے ہیں۔ ہم صرف ترقی یافتہ اجسام پر توجہ دیں گے مثلاً گلِ مروارید (DAISIES) یا صنوبر کے درخت ——— (اسی طرح آئندہ بحث میں کتے یا بندر) ——— نہ کہ وائرس اور بکٹیریا۔ سادہ ابتدائی اجسام (PRIMITIVE ORGANISMS) کے بارے میں نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ و پیچیدہ اجسام کے حوالے سے نتائج اخذ کیے جائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس ممکن نہیں۔ چنانچہ وائرس کے مشاہدے سے صنوبر کے بارے میں آگہی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

یہاں ہمارے سامنے یکسر مختلف قوانین و تصورات ہیں۔ کلیدی الفاظ ہی مثلاً ہیئت (FORM) نظامِ ساخت (STRUCTURAL PLAN)، پابندیٔ جہت (DIRECTEDNESS) اور کلیت (WHOLENESS)، اپنے وجود اور طریق عمل میں بے جان مادے سے بعض بنیادی اختلافات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ تصورات، علم طبیعیات کے لیے بالکل اجنبی ہیں۔ پودا ایک بارور تخمی خلیے (FERTLISED GERM CELL) سے نشوونما پاتا ہے۔ اس میں وہ پیچیدہ کیمیاوی و طبیعی عمل شامل ہے جو پہلے تو خُلیے کی تقسیم اور پھر پودے کی " ہیئت " کے تدریجی ارتقاء، نیز اپنے اپنے مخصوص مقامی عمل کے اعتبار سے الگ الگ خلیوں کی تفریق و تمیز کا کام انجام دیتا ہے۔ یک برگی خلیے (LEAF CELL) کا عمل یک جذری خلیے (ROOT CELL) سے جداگانہ ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ سب عمل ایک خاص ہدف کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ ہدف اُس شئے کی تکمیل ہے جسے ہم " پودے کا

کا نظامِ ساخت" کہتے ہیں - نادیدہ و مخفی طور پر یہ سارا نظام پہلے ہی سے تخمی خلیے میں مضمر ہوتا ہوتا ہے اور اُس مخصوص پودے کی نسل کی تمام تر خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے - نظامِ ساخت اس امر کا تعین کرتا ہے کہ پودے کی نشوونما کا انداز اور بالآخر اُس کی شکل و شباہت کیسی ہوگی اور ہر حصّے کا مخصوص عمل کیا ہوگا - پتوں کا کام تنفّس ہوگا، جڑیں پانی جذب کرنے کا کام کرنے اور پھولوں کے زردار زرحصّے (STAMENS) مادہ حصّے (PISTIL) کو بارور کرنے کا کام سرانجام دیں گے - وغیرہ وغیرہ......

ایک نامیاتی جسم واضح طور پر ایک الگ اور منفرد اکائی ہوتا ہے - اگرچہ گردوپیش سے تاثیری و تاثری سطح پر اُس کا گہرا ربط ہوتا ہے - بے جان مادہ بنیادی طور پر محض ایک انبار یا ڈھیر (MASS) ہوتا ہے - ایک بالٹی پانی سے لبالب بھری ہوئی ہو یا نصف، — یہ فرق محض کمیت کا فرق ہے - لیکن گُل مروارید کا وجود صرف "انبار مروارید" یعنی الگ الگ پھولوں کی تعداد سے عبارت نہیں جن کو شمار کیا جا سکتا ہو - کُلّیت، پودے کے تمام تر اجزا کی متقاضی ہے - اگر ہم جڑیں کاٹ ڈالیں تو نئی جڑیں نکل آئیں گی —— (وہی کلیت کی بحالی کا عمل ، جو مثلاً قلموں (CUTTINGS) کی صورت میں بروئے کار آتا ہے) —— ورنہ پودا مر جائے گا - پودے کے اندر جاری رہنے والے مختلف عمل، کلیت کی تشکیل نیز پودے کے عرصۂ حیات میں اس کی تغیر پذیریوں میں ممد ہوتے ہیں - مختلف کیمیاوی و طبیعی عمل بھی اسی جہت کے پابند کر دیے جاتے ہیں -

ظاہر ہے کہ مرکز میں کہیں حکمران کی سی حیثیت رکھنے والی کوئی شے موجود ہے جو ان سب اعمال کو نظامِ ساخت کے مطابق چلاتی ہے - ہم اِس شے کو "وجودِ باطنی" (INNER BEING) کا نام دیتے ہیں - یہ اُن حیاتیاتی قوانین پر مشتمل ہے کہ تمام عمل جن کے متبع ہوتے ہیں - اُسے کئی اور ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے -

جو سائنسدان اس قسم کے وجودِ باطنی کا حوالہ دیتے ہیں - اس اعتبار سے مطعون کیے جاتے ہیں کہ وہ ایک غیر سائنسی اور متصوفانہ شے کو درمیان لا رہے ہیں - تاہم وجودِ باطنی اپنے نظامِ ساخت کے ساتھ کم و بیش اُسی قدر "متصوفانہ" قرار دیا جا سکتا ہے جس قدر، مثال کے طور پر،

کششِ ثقل یا تجاذب کا قانون .... دونوں غیر مرئی ہیں اور ایک ماورائی عالم سے متعلق ہیں۔ فرق بس اتنا ہے کہ باطنی وجود کا تعلق ایک منفرد پودے سے ہے جبکہ قانونِ تجاذب پورے عالمِ مادی پر حاوی ہے۔

وجودِ باطنی مختلف عملوں کو ایک معین جہت پر چلاتا ہے تو کیا طبیعیاتی عملوں کی جہت معین کرنا ممکن ہے؟ ..... حقیقت یہ ہے کہ نہیں! ہرگز نہیں! ــــ اس وقت جب تک کہ طبیعیاتی قوانین بے رکاوٹ بروئے کار نہ آجائیں۔ اور یہ قوانین سخت لگے بندھے طریقِ عمل کے متقاضی ہیں۔ سو اگر طبیعیاتی عمل، وجودِ باطنی کے اشارے پر چلتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حیاتیاتی قوانین، کیمیاوی و طبیعی قوانین پر بالادستی رکھتے ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ "قوانین کے حفظِ مراتب" کے اعتبار سے حیاتیاتی قوانین کا رتبہ طبیعیاتی قوانین سے برتر ہے۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جسم میں کیمیاوی و طبیعی قوانین کا اعتبار و اقتدارِ مطلق کسی نہ کسی حد تک پابند و اسیر بھی ہے۔ یہ ایک ایسا استنباط ہے جس کے نتائج بڑے خطیر ہوں گے لیکن اسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ بہت سے ماہرینِ علم الحیات اس مفروضے کو ترجیح دیتے ہیں ــــ (مگر اس صورت میں یہ شرط از خود عائد ہو جاتی ہے کہ وہ آزاد حیاتیاتی قوانین کے وجود کو تسلیم کرتے ہوں) ــــ کہ حیاتیاتی و طبیعی قوانین دست بدست اور پہلو بہ پہلو چلتے ہیں، لیکن یہ ناممکنات میں سے ہے۔ علم طبیعیات، قوانینِ فطرت کے عالی شان صحیفے میں حرفِ آخر کی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ تو حرفِ اول ہے۔ جس کے بعد دیگر نوعیت کے اور قوانین آتے ہیں مثلاً موضوعِ زیرِ بحث میں۔ نباتی زندگی کے قوانین، جو باعتبارِ رتبہ برتر اور فائق تر ہیں۔

ایک جسمِ نامی کا مادہ کسی بھی طرح کے احوال و ظروف میں بے جان مادے جیسا وجود نہیں رکھ سکتا۔ اول الذکر کے لیے علم طبیعیات کو کسی نوع کا اعتبارِ مطلق حاصل نہیں۔ یہ ہے وہ مقام جہاں حیاتیاتی قوانین کو درمیان لانے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایک جسمِ نامی کے مادے کو "جاندار" تصور کرتے ہیں۔ ایک خلیے کا پروٹو پلازم تک "جاندار" ہوتا ہے یا زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہیے کہ اس میں "زندگی کے اولین مرحلے" کی نمائندگی موجود ہوتی ہے جس کے بعد دوسرے مراحل کو آنا ہوتا ہے۔ ہم قریب قریب یکسر لاعلم ہیں کہ زندگی کی اس صورت کو کیا قرار دیں۔ اس ضمن میں بعض قوی مفروضات

موجود ہیں لیکن اُن کی تفصیل میں جانا یہاں مناسب نہیں۔

اعتبارِ مراتب کا اصول خود ایک جسم نامی میں داخلی طور پر بھی کار فرما ہے۔ مختلف اعضاء ——— (مثلاً پتہ، جڑ، غنچہ و گل) ——— اپنی اپنی جگہ مستقل اکائیوں کی صورت میں منظم ہیں۔ اگرچہ وہ سب "مجموعی پودے" کے تابع ہیں۔ اسی طرح خلیہ اپنی جگہ اعضاء کا تابع ہے ——— (اگرچہ اس نظام میں وہ خود ایک مستقل اکائی بھی ہے) ——— اور پھر اُس کے بھی کچھ ذیلی اجزاء ہیں۔

(۳)

آیئے اب حیوانات کا جائزہ لیں۔ یہاں پھر ایک بار ہمیں ایک یکسر نئی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ جذباتی تجربات، رنگ اور بُو کے محسوسات، رنج اور راحت جیسے احساسات۔ پھر یہاں ایک حرکی نظام بھی موجود ہے ..... ہاتھ پاؤں جبڑے وغیرہ کی جنبش۔ اور ان دونوں خصوصیات کی اساس نظامِ اعصاب پر ہے۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حسی ادراک کا عمل یوں واقع ہوتا ہے:۔

کوئی خارجی مادی محرک مثلاً کوئی شعاعِ نور، آنکھ میں داخل ہوتا ہے اور پردہ چشم تک پہنچتا ہے۔ بعد ازاں بصری اعصاب اس محرک کو ایک برقی رَو یا ایک منقلب کیمیاوی ——— (CHEMICAL TRANSFORMATION) ——— کی صورت میں دماغ کے بعض مخصوص خلیوں تک منتقل کرتے ہیں۔ جہاں جا کر اس محرک کا ادراک، شعوری سطح پر، روشنی کے احساس کے طور پر کیا جاتا ہے۔ تاہم یہ امر آج تک ایک رازِ سربستہ چلا آتا ہے کہ ایک مادی یا کیمیائی محرک ایک لرزش احساس کی صورت کیونکر اختیار کر لیتا ہے۔

حواس کی فعلیاتی کیفیات پر گذشتہ چند دہائیوں میں جو کچھ تحقیق ہوئی ہے۔ اس سے ایک بالکل ہی نئی صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ خارجی محرک سب سے پہلے ذاتی میلانات کے عملِ تقصیر و تجلیل (DAMPING & AMPLIFICATION) سے گزر کر نظامِ اعصاب میں یکسر منقلب ہو جاتا ہے۔ یہ عمل "باطن" میں بروئے کار آتا ہے ...... یعنی کسی شے کے شعور میں منتقل ہونے سے قبل ایک ماورائی جہت سے ...... (جو

نہ تو مادّی ہے اور نہ فعلیاتی!*

جو مادّی محرک ہمارے سامنے ہوتا ہے وہ تو ہمیں سرے سے نظر ہی نہیں آتا ـــــ وہ تو محض ایک رنگدار سطحوں کی بچّی کاری ہے ـــــ ہم تو جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ایک درخت، ایک میز یا ایک گلدان ہو سکتا ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر "اشکال" .... صرف "بامعنی" اشکال یا پیکر ہی شعور کی سطح پر اُبھرتے ہیں۔ مگر یہ پیکر ہمارے سامنے اسی وقت جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جب (خارجی) محرکات ایک قلب ماہیت سے گذر چکے ہوتے ہیں۔

یہی بات آنکھ کی اِس قابلیت سے خارج ہوتی ہے کہ وہ ان پیکروں کو دیکھ سکتی ہے جو واضح و متمیز (SHARPLY DEFINED) ہوں۔ آنکھ پیکروں کو فوکس (FOCUS) میں لانے کے لیے گنجائش پیدا کرتی ہے۔ مگر ایسا کیوں ہے ـــــ؟ آنکھ کو آخر یہ بات کیسے معلوم ہے کہ "فوکس میں ہونا" کسے کہتے ہیں؟ ـــــ آنکھ کو کس نے بتایا کہ ایک واضح و متمیز پیکر اس کے حسب حال ہے؟ ـــــ بالیقین تنہا علم طبیعیات اس قسم کے تاثر کو مفہوم عطا کرنے سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ یہ سب کچھ کسی نہ کسی طرح "باطن" سے اُبھرتا ہے۔ لیکن ایسے انداز میں کہ ہم ـــــ (یا حیوانات) ـــــ اس کا شعور نہیں کر پاتے۔

یہی بات سب کے سب حسّی ادراکات پر صادق آتی ہے۔ جانوروں کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ ایک چوزہ زمین پر پڑے ہوئے دانے کی بیضوی شکل سے زیادہ کچھ نہیں دیکھ پاتا۔ اسی طرح کسی شکاری پرندے کا سایہ، نیز مرغ ٹھونگیں مارنے میں خود سے برتر یا کمتر مرغیوں کو دیکھتا ہے۔ الغرض چوزہ صرف وہ کچھ دیکھتا ہے جو "چوزہ ہونے کی حیثیت" میں اُس کے لیے "بامعنی" ہے۔

نظامِ اعصاب، اور اس سے متعلق ادراکات و محسوسات، ایک "کُل" بناتے ہیں جس کی ماہیت ہمارے لیے ہنوز یکسر ناقابل فہم ہے۔ اِسے نہ تو ایک ترکیب مادّی کی حیثیت سے سمجھنا ممکن ہے اور نہ خالص نفسیاتی حوالوں سے۔ یہ دونوں پہلو باہم مدغم ہو جاتے ہیں۔ نظامِ اعصاب کا

★ NON – MATERIAL, NON – PHYSIOLOGICAL

فہم تنہا طبیعیات کی مدد سے حاصل کرنا خارج از امکان ہے۔ صرف طبیعیات کام نہیں دے سکتی۔ کیونکہ افعال الاعضاء کے جتنے عمل ہیں اُن پر باطن اثر انداز ہوتا ہے۔ اور یہ "باطن" کوئی مادی عامل نہیں۔ طبیعیات کی کتابیں ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ "بامعنی پیکر" سے ہم کیا مراد لیں۔

روزمرہ کے نہایت سادہ تجربات اس چیز کی توثیق کرتے ہیں۔ اگر ہم ہر نوع کے احساسات و تاثرات، نیز قوتِ ارادی کے اِن عمومی میلانات کو، جو عضلات کو حرکت میں لاتے ہیں، اختصار کی غرض سے "سائیکی" یا "نفس" کا نام دے لیں تو یوں کہنا ہوگا کہ سائیکی کے ارتعاشات مادی نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اپنے بارے میں اس حقیقت سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ لیکن اس ضمن میں ہم حیوانات سے چنداں مختلف نہیں ہیں۔ ڈر کے نتیجے میں کپکپی، یا اختلاجِ قلب پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی قسم کا خوف اکثر دورانِ خون کو سلب کر لیتا ہے۔ لہٰذا ہم زرد پڑ جاتے ہیں ...... (یہ چند مثالیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں)

اس کے پسِ پردہ کونسی شے کارفرما ہے! یہ درست ہے کہ ابتدائے خوف سے لے کر اختلاجِ قلب تک، لاتعداد عضوی افعال اور طبیعی و کیمیاوی عمل، دماغ، نظامِ اعصاب اور بالآخر عضلۂ قلب میں واقع ہوتے ہیں۔ لیکن عملاً جو کچھ ہوتا ہے وہ بڑی سادہ سی بات ہے۔ یعنی ایک نفسیاتی عمل — خوف — کے نتیجے میں — (کسی پیچیدہ سے طریق پر) — مادی اثرات پیدا ہو جاتے ہیں جو انتہائی شدید نوعیت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ خوف کو طبیعی توانائی کے پیمانے پر کسی قوت کے طبیعی نتیجے کی حیثیت سے پیمائش میں لانا ممکن نہیں۔

چنانچہ ایک بار پھر یہی بات سامنے آئی کہ عالمِ طبیعیات اس سارے عمل میں ایک حد تک محکوم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جانوروں میں، یعنی جاندار ہستیوں میں، جو سائیکی رکھتی ہیں طبیعیات کا اعتبار مطلق اور بھی محدود ہے۔ یہاں ایک تیسری نوعیت کا مرحلہ "تاثیرات" — ایک قدم مزید آگے بڑھ کر — نباتی زندگی پر بھی تسلط رکھتا ہے۔ اور طبیعی و نباتی ہر دو انواع کے قوانینِ حیات پر تفوق حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تیسرا مرحلہ "نفسی تاثیرات" سے عبارت ہے۔

اس اعتبار سے حیوانی جسم خود کو ایک ایسی حالت میں پاتا ہے جو اُن احوال سے مختلف ہے جن سے خالص نباتی زندگی کا توافق ہو سکتا ہے اس کا نظامِ اعصاب علی الخصوص — اور نظامِ اعصاب کی وساطت سے سارے کا سارا جسم — (جو نظامِ اعصاب سے الگ نہیں) —

حیاتیت کی ایک نئی سطح پہ فائز ہوجاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ "نفس" یا "سائیکی" کی نعمت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے۔

ہم اس بحث سے نتائج و قوانین، نیز مادے کی حیاتیت کے مختلف مدارج کے مابین جو خطوطِ فاصلہ کھینچتے رہے ہیں انہیں ضرورت سے زیادہ باضابطہ تصور کر لینا مناسب نہ ہوگا۔ بین المراحل بہت سے مرحلے موجود ہیں۔ اور ہر سطح پہ زبردست استثنا بھی ہیں۔ چنانچہ وائرس جاندار اور بے جان کے مابین ایک مرحلے کی نمائندگی کرتے ہیں وہ جاندارانہ خصوصیات کا اظہار صرف اسی صورت میں کرتے ہیں جبکہ وہ زندگی کی بعض دوسری صورتوں میں منسلک ہوجاتے ہیں۔ الجا (ALGA) اور سیب کے درخت میں بے حد تفاوت ہے اور یہ تفاوت صرف حجم تک محدود نہیں ......

ایک کینچوے کی حیاتِ باطنی — یا سائیکی — بڑی سادہ وابتدائی نوعیت کی اور ایک کتے کی سائیکی سے بے حد مختلف ہوتی ہے۔ جمادی، نباتی اور حیوانی زندگی — (جس میں سائیکی کا ظہور ہو چکا ہوا) — کی بے حدود فاصلہ ابھر کر، اور بھرپور انداز میں صرف ترقی یافتہ جانوروں میں سامنے آتی ہیں۔

ہم از بسکہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حیوان اور انسان کے مابین ایک واضح خطِ امتیاز کھینچیں، خصوصاً اس لیے کہ یہ ایک رائج الوقت دستور بن چکا ہے کہ انسانی اور حیوانی رویے کو ایک ہی روشنی میں دیکھا جاتے — (اور یہ ہمارے دَور کے عمومی رجحانِ خودکشی کا ایک پہلو ہے)۔

اوزاروں کی ایجاد کو بالعموم انسانی وجود کی صبحِ اولین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیور (BEAVER) مارموت (MARMOT) اور عنکبوت جیسے حیوانات کے ہندسی کمالات اُن کے آزادانہ و بلاشرکتِ غیرے کمالات نہیں ہیں۔ یہ تو جبلی اعمال ہیں جو اِن جانوروں کی ہیئت ترکیبی میں ایک جزو لاینفک کے طور پہ رکھ دیے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کمالات کا موجد در اصل وہی ہے جو اِن حیوانات کا موجد ہے۔ ہم اُسے جاننے سے قاصر ہیں۔ رہا البتہ بندر کی بعض نسلیں ایسی ہیں جن سے بعض حقیقی آزادانہ ایجادات کا ظہور مسلّم ہے۔ ایک ORANG - UTAN نسل کے بن مانس کو ایک بوری سے جھولن کھٹولا (HAMMOCK) بنانے کا خیال سوجھ گیا اور اُس نے بغیر کسی کے بتلائے اُسے عملی شکل بھی دے ڈالی۔ تاہم جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان باتوں سے انسان اور حیوان کا امتیاز ماند نہیں پڑتا۔ (باقی)